مشہور روایت "ابن آدم ترید وارید" کی تخریج اور علمی مطالعہ

A Scholarly Review of a Famous Narration (Hadith Qudsi) "Ibn AadamTtureedo wa Ureedo"

ڈاکٹر حشمت بیگم *

ڈاکٹر جنید اکبر **

Abstract:

Hadith is one of the major sources of shariah and Islamic Law. The field of Hadith has been researched since the middle of Umayyad dynasty and many have contributed a lot. However, unlike the Qur'an which has been intensively researched due to the serious observation from the Orientalists, the field of Hadith still needs many decades to clarify the myths and arrive at the reality. The Muslims in general and our society in particular is emotionally attached to Islam but lacks an indepth knowledge. The progress of new means of communication has increased the importance of serious study on the one hand and its proper preaching on the other hand through modern means of communication. Slackness in this regard can lead to serious misconception about Islamic sources of knowledge i.e. Quran'an and Hadith.

There are many sayings attributed either to the Prophet Muhammad (Peace Be Upon Him) or Allah (Jalla Jalaluhu) but in actuality they are either sayings of a saint or proverb. Some is the case of the subject cited above which is believed to be a Hadith Qudsi, popular not only among the people of far flung rural areas but also those youth who have easy access to modern means of

* لیکچرار اسلامیات ڈیپارٹمنٹ، شہید بینظیر بھٹو وومن یونیورسٹی پشاور۔

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ ودینیہ، جامعہ ہری پور

communication especially internet. The text of the attributed Hadith Qudsi is spread on the social media and many people quote it without any investigation. The present paper is an attempt to clarify the myths about a perceived Hadith; and a probe to analyze and evaluate the authenticity of the text in the light of the principles laid down by the scholars for the study of Hadith.

تعارف:

آج کا دور جسے کمیونیکیشن کا دور کہا جاتا ہے کی وجہ سے باہمی رابطوں اور سماجی تعلقات میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ایک دوسرے کے خیالات وافکار کو جاننے اور ترویج میں آسانیاں پیدا ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے کے علم و تجربے سے استفادہ کو جدید ذرائع ابلاغ نے جس میں انٹرنٹ بھی شامل ہے جتنا آسان بنایا ہے پہلے کبھی نہ تھا۔ان ذرائع کو اگر نیکی، خیر، بھلائی اور دین کی ترویج کے لئے استعمال کیا جائے تو لا محالہ یہ ترقی خیر و برکت کی چیز ہے۔خاص طور پر امت وسط کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے دینی بیداری اور صحیح دینی تعلیمات کی فروغ میں اس سے استفادہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔اس سلسلے میں جید علماء کرام کو جدید ذرائع ابلاغ سے کما حقہ استفادہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ لوگوں کی دینی تعلیم اور تربیت سے عہدہ برآ ہوں۔

لیکن ہم من حیث القوم زندگی کے جتنے اور شعبوں میں زوال کا شکار ہیں وہاں دینی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کہیں زیادہ مجرمانہ غفلت کا شکار ہیں۔ پہلے تو اسلامی تعلیمات کی فروغ کو وہ coverage نہیں دی جاتی جو بحیثیت مسلمان ہماری ذمہ داری ہے بلکہ ہفتہ میں ایک آدھ دینی پروگرام کرنے، اخبارات میں روزانہ ایک آیت اور حدیث کی اشاعت یا ہفتہ وار دینی ایڈیشن سے ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی دینی ذمہ داریاں پوری کر دی ہیں۔ لیکن افسوس کہ اس محدود کاوش میں بھی عموما اسلامی تعلیمات کی صحت و ضعف کا التزام نہیں رکھا جاتا جس کی وجہ سے بہت سی ایسی روایات لوگوں میں عام ہو جاتی ہیں جن کا قرآن وسنت سے دور تک تعلق نہیں ہوتا۔

اس قسم کی ایک حدیث قدسی جو آج کل کیلنڈروں، اسٹیکروں اور پوسٹروں کی زینت بنی نظر آتی ہے اور بطور تبرک ،ایمانی جذبے کے ساتھ سماجی رابطوں کی ویب سائٹس (Social Media websites) پر بھی upload ہے لیکن کہیں پر بھی اس کے ساتھ حوالہ ذکر نہیں ہوتا کہ یہ مصادر شرعیہ میں سے کس

مصدر سے ماخوذ ہے؟ اس کی کوئی اصل ہے بھی کہ نہیں؟ تاکہ وہاں جا کر اس کی سند دیکھی جائے اور اس کی صحت یا عدم صحت معلوم کی جائے اور صحت متعین ہونے کے بعد اس کی uploading کی جائے۔

"اے ابن آدم! ایک تیری چاہت ہے ایک میری چاہت ہے اور ہوگا وہی جو میری چاہت ہے پس!! اگر تو نے سپرد کر دیا خود کو اس کے جو میری چاہت ہے تو میں بخش دوں گا تجھے وہ بھی جو تیری چاہت ہے اور اگر تو نے نافرمانی کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تھکا دوں گا تجھے اس میں جو تیری چاہت ہے اور ہوگا وہی جو میری چاہت ہے!!!"

حدیث قدسی: (Attributed to Allah)

حدیث: کا لغوی معنی ہے جدید یا خبر اور اصطلاح میں حدیث سے مراد وہ اقوال، افعال تقریر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب ہوں۔

امام ابن تیمیہؒ نے حدیث کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

الحديث النبوي هو عند الإطلاق ينصرف إلى ما حُدِّث به عنه بعد النبوة: من قوله وفعله وإقراره، فإن سنته ثبتت من هذه الوجوه الثلاثة.

(شرعی اصطلاح میں حدیث سے وہ اقوال، اعمال اور تقریر مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی جانب بعثت کے بعد منسوب ہوں)۔

"قدس" (دال کے سکون اور ضمہ کے ساتھ) بمعنی پاکیزگی کے ہے۔ اصطلاح میں حدیث قدسی سے مراد رسول اللہ ﷺ سے منسوب اس روایت کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ روایت کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں:

وهو ما ورد من الأحاديث الإلهية وتسمى القدسية

حدیث قدسی کو قدسی اس کی عظمت اور رفعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ قدسی کی نسبت قدس کی طرف ہے جو اس حدیث کے عظیم ہونے کی دلیل ہے۔

تخریج حدیث:

یہ حدیث مختلف کتب حدیث اور کتب تفسیر میں مروی ہے جن میں سے کچھ مشہور کتابوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے: حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" میں، امام الباقلانی نے "الانصاف" میں، عبد الحق بن غالب اندلسی (۵۴۲ھ) نے "المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز" میں، امام غزالی نے "احیاء العلوم" میں، ملا علی قاری نے "المرقاۃ شرح المشکوۃ" اور "جمع الوسائل فی شرح الشمائل" میں، الحر العاملی محمد بن

حسین (۱۱۰۴ھ) نے الجواہر السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ" میں، إسماعیل حقی بن مصطفی، نے اپنی تفسیر "روح البیان" میں روایت کیا ہے۔

یہ روایت کسی قدر اختلاف کے ساتھ مذکورہ کتابوں میں مذکور ہے۔ اس سلسلے میں جو روایات ملتی ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی روایت:

أوحى الله إلى داود (يا داود تريد وأريد فإن رضيت بما أريد كفيتك ما تريد وإن لم ترض بما أريد أتعبك ثم لا يكون إلا ما أريد

دوسری روایت:

وفي بعض الكتب عبدي تريد وأريد ولا يكون إلا ما أريد فإن رضيت بما أريد كفيتك ما تريد وإن لم ترض بما أريد أتعبتك فيما تريد ثم لا يكون إلا ماأريد

تیسری روایت:

وقيل أوحى الله إلى بعض الأنبياء: تريد وأريد ولا يكون إلا ما أريد، فإن لم تسلم لما أريد أتعبتك فيما تريد، ثم لا يكون إلا ما أريد

چوتھی روایت:

وجاء في بعض الآثار إن الله تعالى يقول {ابن آدم تريد وأريد ولا يكون إلا ما أريد فإن سلمت لي فيما أريد أعطيتك ما تريد وإن نازعتني فيما أريد أتعبتك فيما تريد ثم لا يكون إلا ما أريد

تحقیق حدیث:

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے اس لئے اس کے ایک ایک لفظ اور حرف کی تصدیق اور تحقیق ضروری ہو جاتی ہے کہ جو بات آپ ﷺ کی طرف منسوب کی جارہی ہے واقعی آپ ﷺ کی ہے؟ یا فلاں عمل واقعی آپ سے سرزد ہوا؟ یا فلاں عمل کو آپ ﷺ کی تائید حاصل تھی یا نہیں؟ اس نسبت کو جانچنے کے لئے اہل فن نے حدیث کے سند اور متن سے متعلق ایک معیار قائم کیا ہے جس پر پورا اترنے کے بعد حدیث کی صحت و عدم صحت، مقبولیت اور عدم مقبولیت کا اندازا لگایا جاتا ہے۔

متن، اصل حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کے مافی الضمیر کا اظہار ہوتا ہے اور سند اس تک پہنچنے کا راستہ اور ذریعہ ہے اس لحاظ سے اگرچہ سند حدیث کا جزء نہیں ہے لیکن چونکہ حدیث کی صحت کا دار و مدار اولا سند ہی پر ہوتا ہے اس لئے محدثین کے نزدیک اس کی حیثیت "جزء" سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

سند کو روایت اور متن کو درایت بھی کہا جاتا ہے۔ گویا حدیث کی صحت جانچنے کا دارومدار دو اصولوں پر ہے۔ اصول روایت (خارجی نقد) اور اصول درایت (داخلی نقد)۔

اصول روایت یا خارجی نقد:

فن روایت میں سند کی چھان بین کی جاتی ہے۔ راوی (حدیث نقل کرنے والے) کی بابت معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ کب اور کہاں پیدا ہوا؟ اس کا حافظہ قوی تھا یا کمزور؟ نظر سطحی تھی یا گہری؟ فقیہ تھا یا غیر فقیہ؟ جاہل تھا یا عالم؟ اخلاق و کردار کیسے تھے؟ ذرائع معاش اور مشاغل کیا تھے؟ روایت میں مقررہ شرائط کا لحاظ کیا ہے یا نہیں؟

گویا اس میں راویوں کے حالات، روزمرہ کا معمول، ان کی ذاتی زندگی اور کردار کی تفصیلات معلوم کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں بات کرنے والا کس نوعیت اور کردار کا حامل شخص ہے۔ یہ سب کچھ جاننے کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ چونکہ آپ ﷺ کی اطاعت در حقیقت اللہ تعالی کی اطاعت ہے اس لئے اس میں احتیاط کا پہلو مزید بڑھ جاتا ہے۔

اصول درایت یا داخلی نقد:

حدیث کی صحیح معرفت کے لئے دوسرا اہم اصول درایت ہے۔ مولانا تقی امینی صاحب اصول درایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"مروی (روایت) کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے الفاظ و مفہوم میں عقل، مشاہدہ، تجربہ، زمانے کے علمی تقاضے، کسی مسلمہ اصول اور قرآنی تصریحات کے خلاف ورزی تو نہیں لازم آتی ہے جن سے کسی طرح بھی شان نبوت پر حرف آئے یا فرمودات نبوی ﷺ میں سطحیت ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو۔

علامہ ابن صلاح نے اصول روایت اور درایت پر بحث کرتے ہوئے کہا:

وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوي أو المروي فقد وضعت أحاديث طويلة يشهد بوضعها ركاكة ألفاظها ومعانيها

(کبھی حدیث کی وضعیت راوی یا مروی کی حالت سے سمجھی جاتی ہے، چنانچہ بہت سی طویل حدیثوں کے الفاظ و معانی کی رکاکت خود وضعی ہونے کی شہادت دیتی ہے)۔

ابوالحسن علی بن محمد کنانیؒ کہتے ہیں:

قرينة في المروى كمخالفته لمقتضى العقل بحيث لا يقبل التأويل ويلتحق به ما يدفعه الحس والمشاهدة أو العادة ـ

مروی (متن) میں وضعی ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ وہ مقتضائے عقل کے خلاف اس طرح ہو کہ کوئی تاویل قبول نہ کر سکے اسی میں وہ بھی شامل ہے جو حس، مشاہدہ اور عادت کے خلاف ہو۔

گویا علماء نے نقد حدیث کے معاملہ میں صرف سند پر اکتفا نہیں کیا بلکہ متن کی طرف بھی توجہ دی کہ آپ ﷺ کی طرف منسوب ارشاد سے جو چیز ثابت ہے وہ شریعت کے عمومی مقاصد، اصول اور تصورات کے مطابق ہے کہ نہیں؟ اس مقصد کے لئے انھوں نے اصول وضع کئے جس کی روشنی میں کئی ایسی حدیثوں کو "وضعی "قرار دیا گیا جن کی سندیں اگرچہ درست تھیں لیکن ان کی متن میں خرابیاں پائی جاتی تھیں جن کی بنیاد پر وہ قابل قبول نہ تھیں۔

گویا رجال کے ذریعے اسناد کا تعین ہوتا ہے اور اسناد خارجی نقد کے لئے بنیاد بنتی ہے جس پر بات کرنے سے تحقیق کا ایک پہلو مکمل ہو جاتا ہے کہ خارجی وسائل اور نقد کے لحاظ سے حدیث کا کیا درجہ ہے جبکہ داخلی نقد سے متن کی صحت و ضعف کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ان دونوں اصولوں کی روشنی میں مذکورہ روایت کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

علم حدیث میں سند/اسناد کی اہمیت:

علم الاسناد اس امت کا طرہ امتیاز ہے۔ پچھلے اقوام یا امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ سند جزو حدیث ہونے کی وجہ سے بلا سند حدیث کو امت کے ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین کرام نے قبول ہی نہیں کیا۔ جلیل القدر امام عبداللہ بن مبارک کا قول ہے:

الإسناد من الدين لولا الإسناد لقال من شاء ما شاء

سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن امام زہریؒ نے ایک حدیث بیان کی میں نے عرض کیا اسی کو بغیر سند کے پھر بیان فرما دیجئے، انھوں نے فرمایا:

تم بغیر زینے کہ کوٹھے پر چڑھنا چاہتے ہو؟ اس طرح امام ثوریؒ نے فرمایا: اسناد مؤمن کا سلاح (ہتھیار) ہے۔

یحیٰی بن سعید القطان کا قول ہے:

لا تنظروا الى الحديث ولكن انظروا الى الاسناد فإن صح الإسناد وإلا فلا تغتر بالحديث إذا لم يصح الإسناد

اصولِ حدیث کی روشنی میں زیر بحث حدیث پر تبصرہ:

سند کے حوالے سے دیکھا جائے تو مذکورہ حدیث جن کتب حدیث یا تفسیر میں منقول ہے سند کے بغیر منقول ہے، صرف متن پر اکتفا کیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ حدیث کی قبولیت اور معتبر ہونے کے لئے معتمد سند کا ہونا لازمی ہے یا کم از کم اس پر کسی معتمد امام یا محدث نے اعتماد کرتے ہوئے اپنی کتاب میں درج کیا ہو یا سند قبولیت بخشی ہو۔ صرف متاخرین کی کتابوں میں نقل در نقل منقول ہونے سے اس کا قابل اعتماد ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحیؒ فرماتے ہیں:

من ههنا نصوا علي أنه لا عبرة للاحاديث المنقولة في الكتب المبسوطة ما لم يظهر سندها أو يعلم اعتماد ارباب الحديث عليها وان كان مصنفها فقيها جليلاً يعتمد عليه فى نقل الأحكام وحكم الحلال والحرام.

(اس لئے علماء نے تصریح کی ہے کہ کتب مبسوطہ میں جو حدیثیں منقول ہیں ان پر اعتماد نہیں ہے جب تک ان کی سند ظاہر نہ ہو یا محدثین کا اعتماد اس کی نسبت معلوم نہ ہو، اگرچہ ان کتابوں کا مصنف بڑا زبردست فقیہ ہو کہ نقل احکام و حکم میں حلال و حرام میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہو)۔

اس حدیث کا بے سند ہونا تو ثابت ہے، ساتھ ہی کسی محدث کا اس پر اس کا اعتماد کرنا بھی ثابت نہیں ہے۔

صیغہ تمریض کے ساتھ مذکور ہونا:

بعض کتب میں یہ روایت صیغہ تمریض کے ساتھ مذکور ہے۔ جیسا کہ امام باقلانیؒ نے اپنی کتاب الانصاف میں ذکر کیا ہے:

وقيل أوحى الله إلى بعض الأنبياء: تريد وأريد ولا يكون إلا ما أريد......

امام غزالیؒ نے "احیاء العلوم" میں نقل کیا ہے:

ويروى أن الله تعالى أوحى إلى داود عليه السلام يا داود إنك تريد وأريد......

صیغۂ تمریض کے ساتھ مروی حدیث کا حکم:

تمریض لغت میں تیمارداری، دیکھ بال اور خدمت کو کہتے ہیں اور مجازاً کسی کام یا گفتگو و کلام کی کمزوری یا ضعف کی طرف بھی اس کے ذریعہ اشارہ کیا جاتا ہے، امام ابن درید فرماتے ہیں:

مَرَّضَ الرَّجُلُ فِي كلامِهِ ، إذا ضَعَّفَهُ ، ومَرَّضَ فِي الأَمْرِ ، إذا لَمْ يُبالِغْ فيه

(مَرَّضَ الرَّجُلُ فِي كلامِهِ اس وقت کہا جاتا ہے جب کہنے والے کو اس کی بات میں ضعیف قرار دیا جائے، اور مَرَّضَ فی الأمرِ کہا جاتا ہے جب وہ کسی کام کو پوری پختگی سے نہ کرے)

علماء حدیث کے اصطلاح میں تمریض، راوی یا حدیث کا ضعیف ہونا ہے یا حدیث کو ایسے صیغہ کے ساتھ ادا کرنا جو عدم ثبوت یا عدم صحت کا احتمال رکھتی ہو جیسے قیل، یُذکر، رُوی، یُقال، یحکی وغیرہ کے صیغے، جس میں قیل کا قائل، روی کا راوی، یحکی کا حکایت بیان کرنے والا معلوم نہیں ہوتا۔ امام زرکشیؒ تحریر کرتے ہیں:

أن صيغة الجزم تدل على صحة الحديث والتمريض على ضعفه قد تبعه عليه أكثر الناس

صیغۂ تمریض کے بارے میں مذکورہ اصول قاعدۃ کلیہ نہیں بلکہ قاعدہ اکثریہ ہے، جیسے صحیح بخاری میں یہ صیغہ کئی جگہ استعمال ہوا ہے اور امام بخاریؒ صیغۂ ضعف، روایت بالمعنی کرنے یا متن کو مختصر کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے، لہٰذا وہاں یہ حدیث کے ضعف پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ امام ابن حجرؒ نے بھی اس بات پر تنبیہ کی ہے:

ذلك محمول على قاعدة ذكرها لي شيخنا أبو الفضل بن الحسين الحافظ رحمه الله وهي: إن البخاري لا يخص صيغة التمريض بضعف الإسناد؛ بل إذا ذكر المتن بالمعنى أو اختصره أتى بها أيضا۔

لہٰذا اکثر مواقع پر جب صیغہ تمریض استعمال ہوتا ہے تو وہ سند کے معلق ہونے کی وجہ سے ضعف پر دلالت کرے گا۔

روایتِ مذکورۂ کے حکم کے بارے میں محاکمہ:

زیرِ نظر روایت جو لوگوں میں حدیث قدسی کے نام سے مشہور و معروف ہے اور متاخرین کی بعض کتابوں میں بھی حدیث قدسی کے نام سے منقول ہے، جیسے إسماعیل حقی الحنفی نے روح البیان میں سورہ التکویر کی تفسیر میں اس کو حدیث قدسی کے نام سے روایت کیا ہے:

(وفي الحديث القدسي يا ابن آدم تريد وأريد فتتعب فيما تريد ولا يكون إلا ما أريد)

لیکن مفسر مذکور نے سورۃ یوسف کی تفسیر میں یہ روایت اثر کے طور پر بیان کی ہے:

(وجاء في بعض الآثار أن الله تعالى يقول : ابن آدم تريد وأريد)

جبکہ سورہ البقرہ میں اسی مفہوم میں یہ روایت داؤد علیہ السلام کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ملا علی قاری نے مرقاۃ المفاتیح کے باب اسماء اللہ تعالیٰ میں اثر کے طور پر جبکہ باب الاستغفار میں حدیث قدسی کے طور پر روایت کی ہے

اس روایت کا سب سے قدیم ترین مصدر حکیم ترمذیؒ کی "نوادر الاصول" ہے جو تیسری صدی کی مشہور تصنیف ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ روایت نوادر الاصول سے نقل ہوتے ہوئے متاخرین کی کتابوں میں در آئی ہے لیکن حکیم ترمذیؒ نے بھی اس کو "حدیث" نہیں کہا بلکہ ایک اسرائیلی روایت کے طور پر بیان کیا ہے:

(قال الله تعالى: يا داود تريد وأريد)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض متاخرین علماء کو اس حدیث کے نقل در نقل کرنے میں وہم ہوا ہے اور اللہ تعالی کی جانب نسبت کی وجہ سے اس کو حدیث قدسی کہہ دیا، جب کہ ما قبل میں ثابت ہو چکا کہ یہ روایت اصولِ حدیث کی روشنی میں حدیث ہی نہیں کہلائی جا سکتی، تو حدیث قدسی کیسے قرار دی جا سکتی ہے !!

البتہ جہاں تک مذکورہ روایت کے متن کا تعلق ہے تو درایتاً اس کا مضمون درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت پر اور اس بات پر کہ جب بندہ اللہ تعالی کے لیے اپنی خواہشات کو قدموں تلے روندتا ہے تو اللہ تعالی اس کو نوازتا ہے، قرآن مجید کی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔ ارشاد ہے:) إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ۔ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ۔ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ)۔

لہٰذا اس روایت کو زیادہ سے زیادہ ایک اسرائیلی روایت کے طور پیش کرنا چاہیے، "حدیث" یا "حدیث قدسی" کہنے سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ یہ روایت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اسرائیلی روایات کا حکم:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیلی روایت کی تعریف اور حکم کو بھی بیان کیا جائے تاکہ روایتِ مذکورہ کے بارے میں واضح راہنمائی دی جا سکے۔

اسرائیلی روایات سے مراد وہ روایات ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں۔

حکم کے لحاظ سے ان روایات کی تین قسمیں:

۱. وہ روایات جو بسند صحیح رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔ یہ اس اعتبار سے صحیح ہیں کہ قرآن کریم اور دوسرے صحیح روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اس لئے یہ قسم صحیح اور مقبول ہے۔

۲. دوسری وہ اسرائیلیات جس کا جھوٹا ہونا خارجی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے جو شریعت کے معروف مسائل اور عقل سلیم سے ٹکراتی ہیں۔ایسی روایات کی نقل اور روایت جائز نہیں ہے۔

۳. تیسری قسم ان اسرائیلیات کی ہے جو پہلی اور دوسری قسم میں شامل نہیں ہیں جن کے بارے میں محدثین نے سکوت اختیار کیا ہے۔ایسی اسرائیلیات کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا تصدقوها ولا تكذبوها"۔ اس قسم کی روایات کو بیان کرنا تو جائز ہے؛ لیکن ان پر نہ کسی دینی مسئلہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے نہ ان کی تصدیق یا تکذیب کی جا سکتی ہے اور اس قسم کی روایات کو بیان کرنے کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں۔

خلاصۃ البحث:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ:

۱. اصول درایت کے لحاظ سے مذکورہ روایت اگرچہ صحیح ہے تاہم اسے رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنا اس لئے درست نہیں کیونکہ یہ روایت بلا سند منقول ہے۔

۲. مذکورہ روایت کی حیثیت، خبر مقطوع، موقوف یا مرفوع کسی لحاظ سے ثابت نہیں ہے۔

۳. مذکورہ روایت کو "حدیث قدسی" کہنے میں توقف کیا جائے۔

۴. مذکورہ روایت کو زیادہ سے زیادہ اسرائیلی روایت کے طور پر روایت کیا جائے۔

۵. اس روایت کے مضمون کی نشر و اشاعت اور وعظ و تبلیغ کرنے کے لیے آیاتِ قرآنیہ اور دیگر احادیث صحیحہ کا سہارا لیا جائے۔

حواشی و مصادر:

۱۔ أبو البقاء، أيوب بن موسى، الكليات، تحقیق: عدنان درويش، اور محمد المصري، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۹۹۸م، ج۱، ص۵۷۳؛ ابن حجر، احمد بن علی بن محمد عسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، تحقیق: احمد بن علی بن حجر عسقلانی، دار المعرفة، بیروت، ۱۹۵۹م، ج۱، ص۱۹۳۔

۲۔ ابن تیمیہ، أحمد بن عبد الحليم بن تيمية، مجموع الفتاوى، دار الكتب العلمية، بیروت، ۲۰۰۰م، ج۱۸، ص۵۔

۳۔ الزبيدي، محمد بن محمد بن عبد الرزاق، تاج العروس من جواهر القاموس، تحقیق: عبد السلام احمد وآخرين، وزارة الأعلام بالكويت، ۱۹۶۵م، مادہ: قدس۔

۴۔ محمد جمال الدين بن محمد القاسمي، قواعد التحديث من فنون مصطلح الحديث، دار الكتب العلمية بیروت، ۱۹۷۶م، ص۶۴۔

۵۔ الحکیم الترمذي، نوادر الاصول في أحاديث الرسول، دار النشر / دار الجيل، بيروت، ۱۹۹۲م، ج۴، ص ۱۵۲؛ الباقلانی، الانصاف فیمایجب اعتقاده و لا یجوز جہلہ، بتحقیق شیخ الاسلام محمد زاہد الکوثری، المکتبہ الازہریہ للتراث، الطبعۃ الاولی، ۲۰۰۰ء، ص ۳۵؛ عبدالحق بن غالب بن عطیۃ الأندلسي، المحرر الوجیز في تفسیر الکتاب العزیز، بتحقیق، عبد السلام عبد الشافي محمد، دار الکتب العلمیۃ، لبنان، ۱۹۹۳ م، ط۱، ج۵، ص۴۱۸؛ الغزالي، محمد بن محمد، إحیاء علوم الدین، دار المعرفۃ، بیروت بدون التاریخ، ج۴، ص ۳۴۶؛ الھروی، ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، تحقیق شیخ جمال عیتانی، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۲۰۰۱، باب اسماء اللہ تعالی، رقم: ۵۱۷۳، باب الاستغفار، رقم:۵۲۶۰؛ الھروی، ملا علی قاری، جمع الوسائل فی شرح الشمائل، المطبعۃ الشرقیۃ، مصر، ج۱، ص۴۹؛ الحر العاملي، محمد بن الحسن بن علي، الجواھر السنیۃ في الاحادیث القدسیۃ، منشورات مکتبۃ المفید قم، ایران، بدون طبع و تاریخ طبع، ص۹۳؛ إسماعیل حقي بن مصطفی، تفسیر روح البیان، دار إحیاء التراث العربي، بدون طبع، ج۴، ص۱۴۹۔

۶۔ إسماعیل حقي بن مصطفی، تفسیر روح البیان، سورۃ بقرہ، ج۱، ص۳۱۸۔

۷۔ ملا علی قاری، المرقاۃ شرح المشکوٰۃ، باب اسماء اللہ تعالی، ج۸، ص۶۱۔ ۶۲: باب الاستغفار: ج۸، ص۲۰۰۔

۸۔ الباقلانی، الانصاف، ص ۳۵۔

۹۔ تفسیر حقي، المؤلف: حقي، سورہ یوسف: ۲۱ ج۶، ص۶۸۔

۱۱۔ ابن حجر، أحمد بن علي بن محمد، نزھۃ النظر في توضیح نخبۃ الفکر في مصطلح أھل الأثر، تحقیق، عبد اللہ بن ضیف اللہ الرحیلي،، مکتبۃ المدینۃ الرقمیۃ، ط۱، ص۲۳۴۔

۱۲۔ محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۸۶م، ص ۱۵

۱۳۔ محمد تقی امینی، حدیث کا درایتی معیار، ص ۱۵

۱۴۔ ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمن الشھرزوي، مقدمۃ ابن الصلاح،، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان، ص۱۸۔

۱۵۔ ابن العراق الکناني، علی بن محمد، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ، دار الکتب العلمیۃ ط۲، ۱۹۸۱م، ج۱، ص۶۔

۱۶۔ امام مسلم، مسلم بن حجاج نیشاپوری، صحیح مسلم، دار إحیاء التراث العربي، بیروت، باب بیان أن الإسناد من الدین، رقم:۵

۱۷۔ السیوطی، عبد الرحمان بن ابی بکر، تدریب الراوی، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض، ج ۲، ص ۱۶۰۔

۱۸۔ أحمد بن علي بن ثابت الخطيب البغدادي أبو بكر، الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع، مكتبة المعارف ،الرياض، ۱۴۰۳م، ج ۲، ص ۱۰۲۔

۱۹۔ لکھنوی، الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، بتحقیق العلامۃ عبد الفتاح ابی غدۃ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، بیروت، ط ۲، بدون التاریخ، ص ۲۹۔

۲۰۔ الباقلانی، الانصاف، ص ۳۵۔

۲۱۔ الزبیدی، محمد بن محمد مرتضی، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الھدایۃ، بدون التاریخ و الطبعۃ، مادہ: مرض، ج ۱۹، ص ۵۶۔

۲۲۔ الزركشي، محمد بن جمال الدين، النكت على مقدمة ابن الصلاح، أضواء السلف، الرياض، ط ۱، ۱۹۹۸م، ج ۱، ص ۲۳۶۔

۲۳۔ ابن حجر، أحمد بن علي بن حجر، فتح الباري، دار المعرفة، بيروت، ۱۳۷۹، ج ۱، ص ۱۱۱۔

۲۴۔ إسماعيل حقي بن مصطفى، تفسير روح البيان، ج ۱۰، ص ۴۷۲۔

۲۵۔ إسماعيل حقي بن مصطفى، تفسير روح البيان، ج ۴، ص ۱۴۹

۲۶۔ إسماعيل حقي بن مصطفى، تفسير روح البيان، ج ۱، ص ۳۱۸

۲۷۔ الملا علي القاري، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الاستغفار، ج ۸، ص ۲۰۰

۲۷۔ الزركلي، خير الدين بن محمود بن محمد، الأعلام، دار العلم للملايين، ط ۱۵، ۲۰۰۲م، ج ۶، ص ۲۷۴؛ الذهبي، محمد بن أحمد بن عثمان، تاريخ الإسلام وَوَفيات المشاهير وَالأعلام، دار الغرب الإسلامي، ط ۱، ۲۰۰۳ م، ج ۶، ص ۸۱۴۔

۲۸۔ الحكيم الترمذي، نوادر الأصول في أحاديث الرسول، ج ۴، ص ۱۵۲۔

۲۹۔ القرآن الکریم: ھود: ۱۰۷۔

۳۰۔ القرآن الکریم: النساء: ۷۸

۳۱۔ القرآن الکریم: الانبیاء: ۲۳

۳۲۔ تقی عثمانی، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۱۵ھ، ص ۳۴۵

۳۳۔ تقی عثمانی، علوم القرآن، ص ۳۴۶، ۳۴۵؛ غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین، ملک سنز پبلیشرز، ص ۲۱۲۔